جناب مولانا ارشاد الحق صاحب

قسط نمبر ۸

احسن الکلام

گیارہویں حدیث مولانا سرفراز صاحب نے اپنے دعویٰ پر گیارہویں حدیث بواسطہ "سفیان وشریک عن موسیٰ بن ابی عائشہ بن عبد اللہ بن شداد عن جابر" ذکر کی ہے۔ جس کی صحت پر انھیں بڑا ناز ہے، لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس بحث میں بھی معقولیت کم ہے، دلائل کے بجائے الفاظ پر زیادہ زور صرف کیا گیا ہے بلکہ جب ہم نے اس کا مقابلہ حضرت الاستاذ محدث گوندلوی مدظلہ العالی کی کتاب خیر الکلام سے کیا تو ہمیں اس میں کوئی ایسی معقول بات نظر نہ آئی جس کا جواب حضرت الاستاذ دامت برکاتہم نے رقم نہ فرمایا ہو۔ لیکن کتاب کے دوسرے ایڈیشن کو چونکہ "خیر الکلام کا جواب" باور کرانا تھا۔ اس لیے نام تو اس کا بہرحال لینا پڑا لیکن جواب میں سوائے طنز و تعریض کے اور کوئی عمل پیش نہیں کر سکے۔ بلکہ تعجب ہوتا ہے کہ یہ بزرگ حقائق سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کس ہوشیاری سے مطلب نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر بھی وعظ و تلقین کا مستحق دوسروں کو سمجھتے ہیں۔ شرح اس اجمال کی یوں ہے کہ اس روایت کا باین سند مرفوع ہونا صحیح نہیں۔ جس کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے۔

تصریح محدثین امام سفیان بن عیینہ، شعبہ، ابوخالد، سفیان ثوری، شریک، جریر بن عبد الحمید، قیس، ابن ابی لیلیٰ۔ زائدہ، زہیر، ابو عوانہ وغیرہ نے یہ روایت موسیٰ بن ابی عائشہ سے مرسل بیان کی ہے۔

۲ - مسند احمد بن منیع کا وہ نسخہ جو علامہ ابن ہمام کے پاس تھا اس میں کاتب سے غلطی سے جابرؓ کا لفظ لکھا گیا ہے۔

۳ - یہ روایت اس لیے بھی صحیح معلوم نہیں ہوتی کہ متقدمین آئمہ احناف مثلاً امام طحاوی، علامہ ماردینی۔ حافظ زیلعی اور علامہ عینی، نے اس سے استدلال نہیں کیا۔ مسند احمد بن منیع کے نسخہ میں یہ روایت اسی طرح متصل مذکور ہے تو پھر یہ روایت ان بزرگوں کی نظر سے کیسے اوجھل رہی؟

سوال یہ ہے کہ جب مولانا صفدر صاحب اس بات کے معترف ہیں کہ "مسند احمد بن منیع محدثین کے ہاں متداول تھی" (ص ۲۶۲) تو پھر یہ متصل سند تمام محدثین اور اکابر احناف کی نظر سے کیوں نہ اس "قوی" متابعت کو پا سکی؟ بلکہ اس کا انکشاف ہوا تو آٹھویں صدی کے بعد علامہ ابن ہمام کے دور میں پھر ہمیں یہاں مولانا صفدر صاحب کی ہی

زبان میں کہنے دیجئے کہ اس "نسخہ نادرہ" کے کاتب کا قلم نہ ہوا، قلم تقدیر ہوا جو علامہ ابن ہمام کی بگڑی ہوئی قسمت کو سنوارنے کے لیے پھر ایک مرتبہ چل پڑا ہو! ناظرین کرام یہ ہے مختصر حیثیت اس روایت کی۔ لیکن مولانا صفدر صاحب اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

"علامہ آلوسی اس حدیث کو کئی سندات کے ساتھ نقل کر کے لکھتے ہیں ... ... علامہ آلوسی ثقہ ناقل ہیں۔ ان کو متاخر آدمی کہکر ٹال دینا جیسا کہ مؤلف خیر الکلام (ص ۴۰۳) نے کیا ہے نرے تعصب پر مبنی ہے اور اہل علم کی شان کے لائق نہیں" (ص ۲۵۹)

"مؤلف خیر الکلام" نے کیا کہا؟ ذرا ان کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔ "آلوسی ایک متاخر آدمی ہیں اور وہ ابن ہمام ہی سے نقل کرتے ہیں۔ اس کا کلام بطور دلیل پیش کر رہے ہیں۔ لہذا یہ جواب صحیح نہیں" (خیر الکلام، ص ۴۰۳)

یہ ہے وہ اصل عبارت جس کی بنا پر "مؤلف خیر الکلام" کو متعصب قرار دیا گیا۔ ازراہ انصاف فرمائیں کہ انہوں نے وہ جرم کون سا کیا جس کی پاداش میں وہ "مجرم" گردانے گئے ہیں؟ مولانا صفدر صاحب کی یہ برہمی بجا ہوتی اگر علامہ آلوسی براہ راست مسند احمد بن منیع کیطرف مراجعت کرتے اور اس کی اصل عبارت نقل کرتے، لیکن جب وہی علامہ ابن ہمام کے خوشہ چین ہوں تو بتلایا جائے کہ ہے کوئی معقولیت اس اعتراض میں؟

اگر ہم یہاں روح المعانی اور فتح القدیر کی عبارتیں نقل کریں تو یہ سلسلہ ضرورت سے زیادہ طویل ہو جائے گا البتہ اہل علم کی خدمت میں گذارش ہے کہ دونوں کتابوں کیطرف مراجعت فرمائیں اور انصاف فرمائیں کہ علامہ آلوسی خود جواب دے رہے ہیں یا علامہ ابن ہمام کا کلام نقل فرما رہے ہیں۔ بالخصوص جب کہ انہوں نے بواسطہ جریر اس کو مرفوع بتلاتے ہوئے مکھی پر مکھی ماری ہے۔ تعجب ہے کہ علامہ ابن ہمام ایک طرف تو فرماتے ہیں:

"حدثنا جریر عن موسیٰ عن عبداللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکرہ ولم یذکروا جابراً" کہ جریر نے یہ روایت مرسل بیان کی ہے اور جابر کا واسطہ ذکر نہیں کیا لیکن اس اعتراف کے باوجود فرماتے ہیں "فھؤلاء سفیان وشریک وجریر وابو الزبیر رفعوہ" کہ سفیان، شریک، جریر اور ابو الزبیر نے اسے مرفوع بیان کیا ہے۔ اور بالکل یہی عبارت علامہ آلوسی نے بھی نقل کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جریر کی یہ مرفوع روایت کہاں ہے اور کس کتاب میں ہے؟ علامہ آلوسی کا آنکھیں بند کر کے یہی عبارت من وعن نقل کر دینا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ انہوں نے مسند احمد بن منیع خود نہیں دیکھی بلکہ علامہ ابن ہمام پر اعتماد کیا ہے، لہذا حضرت الاستاذ حافظ صاحب مدظلہ پر تعصب کا طعن کہاں تک صحیح ہے؟ ازراہ انصاف آپ ہی فرمائیں کہ جریر کی روایت کو مرسل تسلیم کرنے کے باوجود بلا دلیل محض زور کلام میں اسے متصل بنا دینا کیا "اہل علم" کی شان ہے۔؟

تم ہی ذرا اپنے جور وستم کو دیکھو ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

لہٰذا جب سرے سے اس متابعت کا ثبوت نہیں تو اسے امام ابن عدی، امام دارقطنی وغیرہ محدثین کے جواب میں پیش کرنا محض طفل تسلی ہے اس کے بعد مولانا صاحب فرماتے ہیں "امام ابوحنیفہ سے اس روایت کو نقل کرنے والے بھی اس کو مرفوع بیان کرتے ہیں، لہٰذا اسحاق کی روایت کو شاذ غلط اللہ تضعیف قرار دینا جیسا کہ مؤلف خیر الکلام نے کہا ہے محض بے بنیاد اور نرا باطل دعوے ہے۔" (احسن ص ۲۵۹، ۲۶۰) ... معلوم یوں ہوتا ہے کہ محترم صفدر صاحب اظہار ناراضگی میں اپنے ہوش کھو بیٹھے ہیں۔ جب کہ ان سے مطالبہ اس بات کا ہے کہ اس روایت کو بایں سند مرفوع بیان کرنے میں امام ابوحنیفہ منفرد ہیں اور سفیان وشریک کے واسطے سے یہ روایت اگر مسند احمد بن منیع میں تسلیم کی جائے تو اس کو مسند بیان کرنے میں اسحاق الازرق منفرد ہیں اور اس کے دیگر ساتھی اسے مرسل ہی بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت الاستاذ کے الفاظ ہیں "اگر تسلیم کیا جائے کہ مسند احمد بن منیع میں یہ لفظ کسی کاتب کا وہم نہیں تو اس صورت میں اسحاق ازرق کی غلطی شمار ہوگی کیونکہ اسحاق ازرق کے سوا کوئی بھی سفیان اور شریک سے جابرؓ کا لفظ نقل نہیں کرتے سو ایسی سند میں جو سفیان اور شریک سے تواتر کے ساتھ آئی ہیں اسحاق ازرق کی زیادتی قطعاً شاذ ٹھہرے گی" (خیر الکلام ۲۰۴، ۲۰۳) لیکن حضرت مولانا صفدر صاحب اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے تلامذہ بھی اس کو مرفوع بیان کرتے ہیں "لہٰذا اسحاق کی روایت کو شاذ قرار دینا باطل دعوے ہے۔" اسے کہتے ہیں ؎

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا

اگر مولانا صاحب کو اپنے علم کی شان "رکھنا تھی تو ان پر واجب تھا کہ سفیان وشریک کے اس مسند طریق میں اسحاق کا متابع ذکر کرنے اس کے بعد اس کے "شذوذ" کی نفی کرتے ہوئے اسے "باطل" قرار دیتے۔ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اس سلسلہ میں وہ کوئی ثقہ متابعت ذکر نہیں کر سکتے ولو کان بعضھم لبعض ظہیرا۔ اس کے بعد مولانا فرماتے ہیں کہ "اسحاق ازرق تو چوٹی کے ثقہ اور ثبت ہیں پھر تفرد کا ناکام بہانہ کون سنتا ہے؟ پہلے اس کی پوری تحقیق گذر چکی ہے کہ ثقہ راوی کی زیادت بالاتفاق مقبول ہوتی ہے (ص ۲۶۰)۔ .... اصول حدیث کا طالب علم سمجھتا ہے کہ یہ بحث خاصی تنقیح طلب ہے کہ وصل وارسال اور رفع ووقف کی صورت میں آیا "علی الاطلاق حکم" موصول اور مرفوع پر ہی ہوگا، یا اس کا مدار قرآن پر ہے؟ بلاشبہ علامہ نووی وغیرہ نے اکثر محدثین اور ائمہ اصول کا یہی مسلک نقل کیا ہے کہ ایسی صورت میں حکم مرفوع روایت پر ہوگا اور زیادتی ثقہ کا اعتبار کیا جائے گا لیکن صحیح یہ ہے اس کا مدار قرائن پر ہے جب کہ حدیث کے لیے عدم شذوذ شرط ہے اور اس زیادہ "کو اگر شاذ حدیث کا درجہ دیا جائے تو وہ ہرگز قبول نہ ہوگی، چنانچہ حافظ ابن حجر رقمطراز ہیں، "وما اختاره ابن سيد الناس سبقه الى ذالك شيخه ابن دقيق العيد نقلا فى مقدمة شرح الالمام عن حكى عن اهل الحديث او اكثرهم انه اذا تعارض رواية مرسل ومسند او رافع وواقف او ناقص وزائد ان الحكم للزائد فلم يصب فى هذا الاطلاق فان ذالك ليس قانونا

مطرداً ... ... وبھذا جزم الحافظ العلائی فقال کلام الائمۃ المتقدمین فی ھذا الفن لعبد الرحمٰن بن مھدی ویحیی بن سعید القطان واحمد بن حنبل والبخاری وامثالھم یقتضی انہ لا یحکمون فی ھذہ المسئلۃ بحکم کلی بل عملھم فی ذالک دائر مع الترجیح بالنسبۃ الی ما یقوی عند احدھم فی کل حدیث الخ (النکت)

یعنی ابن سعید الناس سے قبل ان کے شیخ علامہ ابن دقیق العید نے بھی یہی کہا ہے کہ محدثین سے جو یہ نقل کیا جاتا ہے کہ وصل و ارسال وغیرہ کی صورت میں "حکم زائد" پر ہوگا تو یہ حکم علی الاطلاق صحیح نہیں اور نہ یہ کوئی کلی قانون ہے یہی قول حافظ العلائی کا ہے چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ متقدمین آئمہ محدثین مثلاً امام عبدالرحمان بن مہدی، امام یحییٰ القطان، امام احمد، امام بخاری وغیرہ کا کلام اس بات کا مقتضی ہے کہ یہ حکم کلی طور پر درست نہیں بلکہ اس کا مدار قرائن پر ہوگا۔ حافظ ابن حجر کا اقتباس اس بات کی دلیل ہے کہ محدثین کے نزدیک یہ قطعاً صحیح نہیں کہ ثقہ کی زیادتی بالاتفاق مقبول ہے، جیسا کہ مولانا صفدر صاحب تاثر دینا چاہتے ہیں۔

مولانا موصوف دراصل "جمہور"، "اکثریت" اور "بالاتفاق" کے الفاظ سے نیم خواندہ حضرات کو مرعوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یوں حقائق پر پردہ پوشی سے کام لیتے ہیں بلکہ اس کے لیے اگر انہیں غلط ترجمانی کی ضرورت محسوس ہوئی تو بھی اس سے دریغ نہیں کرتے جس کی قبل ازیں بھی ہم نشان دہی کر چکے ہیں۔ آپ ذرا اسی اصولی مسئلہ پر غور فرمائیں مولانا صاحب کے الفاظ ہیں "پہلے اس کی پوری تحقیق گذر چکی ہے کہ ثقہ راوی کی زیادت بالاتفاق مقبول ہوتی ہے" (ص ۲۰۶) اور اس سے قبل جس بحث کا اشارہ فرمایا ہے اس جگہ علامہ نووی نقل فرماتے ہیں "وبینا ان الصحیح بل الصواب الذی علیہ الفقھاء والاصولیون ومحققوا المحدثین" الخ ہم بیان کر آئے ہیں کہ صحیح بلکہ خالص حق بات یہ ہے کہ جس پر فقہا علماء اصول اور محقق محدثین متفق ہیں، (ص ۲۰۲) سوال یہ ہے کہ علامہ نووی کے وہ الفاظ کون سے ہیں جس کا ترجمہ مولانا صاحب نے "متفق" کیا ہے اور جس کی بنیاد پر صفحہ ۲۰۶ میں فرماتے ہیں "ثقہ راوی کی زیادتی بالاتفاق مقبول ہے" حالانکہ اصول حدیث کا معمولی طالب سمجھتا ہے کہ اس مسئلہ میں محدثین اور فقہاء کے مختلف اقوال ہیں، اصول حدیث کی تمام کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے خود علامہ نووی نے "تقریب" میں اس مسئلہ پر چار مختلف اقوال نقل کیے ہیں، ان کے الفاظ ہیں : "منھم من قال الحکم لمن ارسلہ او وقفہ قال الخطیب وھو قول اکثر المحدثین وعند بعضھم الحکم للاکثر وبعضھم للاحفظ" (تقریب مع التدریب ص ۱۴۳) یعنی صحیح یہی ہے کہ زیادتی ثقہ مقبول ہے اکثر محدثین ارسال وموقوف کو ترجیح دیتے ہیں بعض نے فیصلہ اکثریت پر موقوف رکھا ہے۔ اور بعض نے احفظ پر، علامہ نووی کے علاوہ علامہ ماردینی بھی اکثر محدثین کا مسلک یہی نقل کرتے ہیں کہ ایسی صورت میں حکم مرسل پر ہوگا چنانچہ حدیث "اذا اجمرتم المیت فاوتروا" کے متعلق چونکہ امام یحییٰ ابن معین اس کے مرفوع ہونے پر بھی یحییٰ بن آدم کے تفرد کی بنا پر "غلط" ہونے کا حکم لگایا گیا تھا اور اس کا موقوف ہونا صحیح قرار دیا تھا۔ اس کے متعلق علامہ ماردینی فرماتے ہیں "قلت کان ابن معین بناہ علی قاعدۃ اکثر المحدثین انہ اذا روی الحدیث مرفوعا وموقوفا فالحکم بالوقف الخ" (الجوہر النقی ص ۱۴۳ جلد ۳)

کہ امام ابن معین کا یہ قول اکثر محدثین کے اس قاعدہ کی بنا پر ہے کہ مرفوع و موقوف کی صورت میں موقوف پر حکم ہو گا۔ اس واضح اختلاف کے بعد مولانا صفدر صاحب کا یہ فرمانا کہ "ثقہ کی زیادتی بالاتفاق مقبول ہے۔" کہاں تک مبنی برحقیقت ہے؟ زیادہ سے زیادہ اسے جمہور کا مسلک کہہ سکتے ہیں جیسا کہ خود علامہ نووی نے مقدمہ مسلم ص ۱۸ اور شرح مسلم ص ۱۰۰ جلد اول میں کہا ہے "بلاشبہ خطیب بغدادی علامہ ابن الصلاح علامہ نووی وغیرہ نے ثقہ کی زیادتی کو قبول کیا ہے اور اسے صحیح مسلک قرار دیا ہے لیکن اس کے برعکس علامہ ابن سید الناس، علامہ ابن دقیق العید، علامہ العلائی اور متقدمین میں امام بخاری، امام ابن مہدی، امام احمد ایسے اکابر محدثین اسے صحیح نہیں سمجھتے بلکہ اس کا فیصلہ قرائن اور دلائل پر موقوف رکھتے ہیں جیسا کہ اس سے قبل ہم نقل کر آئے ہیں، علامہ ابن الصلاح وغیرہ نے اپنے موقف پر حدیث "لا نکاح الا بولی" سے استدلال کیا ہے۔ اور لکھا ہے۔

"وسئل البخاری عن حدیث "لا نکاح الا بولی" المذکور فحکم لمن وصله وقال الزیادة من الثقة مقبولة فقال البخاری هذا مع ان من ارسله شعبه وسفیان فهما جبلان لهما من الحفظ والاتقان والدرجة العالیة"، (مقدمہ ابن الصلاح، ص۴۲) لیکن علامہ ابن الاصلاح وغیرہ کا اس حدیث اور اس پر امام بخاری کے کلام سے استدلال صحیح نہیں، حافظ ابن حجر نے النکت میں اس پر بالتفصیل تنقید کی ہے۔ جس کا خلاصہ مع زیادات ہم یہاں ذکر کرنا مفید سمجھتے تاکہ ایک حد تک یہ بحث مفید ثابت ہو اور مقدمہ ابن الاصلاح کے درس میں اصول حدیث کے طلبا کیلئے غلط فہمی کا باعث نہ بنے، چنانچہ ملحوظ خاطر ہے کہ علامہ ابن الصلاح کے کلام سے اگرچہ امام بخاری کا یہی مسلک معلوم ہوتا ہے کہ زیادتی ثقہ مقبول ہے، لیکن امام بخاری کے نزدیک یہ اصول قطعاً نہیں کہ "الحکم للواصل دائما" بلکہ وہ یہ حکم قرائن اور دوسرے دلائل پر موقوف رکھتے ہیں یہی حدیث "لا نکاح الا بولی"، کو اگرچہ سفیان اور شعبہ نے مرسل بیان کیا ہے۔ لیکن اس کے مرفوع ہونے پر دیگر قرائن تو یہ موجود تھے اسی بنا پر امام بخاری نے اس کے وصل کو صحیح کہا ہے اور وہ قرائن یہ ہیں (۱) ابو اسحاق کے شاگردوں میں اسرائیل، شریک بن عبد اللہ، ابو عوانہ، زہیر بن معاویہ، قیس بن ربیع، یونس بن ابی اسحاق اسے متصل بیان کرتے ہیں (۲) شعبہ اور سفیان گو حفظ و اتقان کے پہاڑ ہیں لیکن ان دونوں نے ابو اسحاق سے یہ روایت ایک ہی مجلس میں سنی تھی جیسا کہ مسند ابو داود طیالسی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں، "ثنا شعبة قال سمعت سفیان یسال ابا اسحاق اسمعت ابا بردة یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا نکاح الا بولی قال نعم" (مسند طیالسی و ترمذی) اس کے برعکس یونس اور اسرائیل وغیرہ نے اسے ابو اسحاق سے متعدد مجالس میں سنا تھا، حافظ فرماتے ہیں۔ "ولا یخفی رجحان ما اخذ من لفظ المحدث فی مجالس متعددة علی ما اخذ عنه عرضا فی محل واحد" مزید یہ کہ امام شافعی فرماتے ہیں "والعدد الکثیر اولی بالحفظ من الواحد" (۳) اسرائیل کی روایت کو ترجیح دینے پر یہ قرینہ بھی کہ اسرائیل ابو اسحاق کا بیٹا ہے "ولا شك ان آل الرجل اخص به من غیرهم"، بالخصوص جبکہ دیگر ثقات نے بھی اس کی متابعت کی ہو۔"

۴۔ سفیان ثوری کا مقصد در اصل ابو اسحاق اور ابو بردہ سے سماع کی وضاحت تھا جب کہ ابو اسحاق تدلیس سے کام لیتے تھے ابو اسحاق کی تدلیس پر بحث آئندہ آ رہی ہے۔ انشاء اللہ

۵۔ امام حاکم نے شعبہ اور سفیان ثوری کے طریق سے یہ روایت متصل و مرفوع بھی نقل کی چنانچہ فرماتے ہیں :

"حدثنا سلیمان بن داود ثنا النعمان بن عبد السلام عن شعبة وسفیان الثوری عن ابی اسحاق عن ابی بردة عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا نکاح الا بولی (المستدرک ص ۱۶۹ جلد ۲)

امام حاکم اس روایت کے بعد فرماتے ہیں :

"قد جمع النعمان بن عبد السلام بین الثوری وشعبة فی اسناد ھذا الحدیث ووصله عنهما والنعمان ثقة مأمون وقد رواه جماعة من الثقات عن الثوری علی حدته وعن شعبة علی حدته فوصلوه وکل ذالک مخرج فی الباب الذی سمعه منی اصحابی فاغنی ذالک عن اعادتها فاما اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق الثقة الحجة فی حدیث جده ابی اسحاق فلم یختلف فی وصل ھذا الحدیث" (ایضاً ص ۱۶۹-۱۷۰ ج ۲)

اس پورے بیان سے بھی ہمارے سابقہ بیان کی تائید ہوتی ہے۔ نیز امام حاکم نے امام محمد بن یحییٰ الذہلی سے نقل کیا ہے کہ جب ان سے سفیان وشعبہ کی مرسل روایت کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا :

"قلت له رواه شعبة والثوری عن ابی اسحاق عن ابی بردة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال نعم ھکذا روياه ولکنهم کانوا یحدثون بالحدیث فیرسلونه حتی یقال لهم عمن فیسندونه" (ایضاً ۱۷۰-ج ۲)

جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر سفیان وشعبہ نے کسی وقت اسے مرسل ذکر کیا ہے یہ اس کے متصل ہونے کے منافی نہیں۔ جب کہ وہ روایت کو کبھی مرسل بیان کرتے ہیں اور جب کبھی ان سے حقیقت دریافت کی جاتی تو وہ اسے متصل بیان کرتے۔ بنا بریں اسی قاعدہ کی بنا پر ان کی مرسل روایت ان کی متصل روایت کے منافی نہیں۔

یہ تمام قرائن اس بات کی دلیل ہیں کہ امام بخاری نے اگر متصل روایت کو ترجیح دی ہے تو یہ "زیادتی ثقہ مقبول ہے" کے قاعدہ کی بنا پر نہیں بلکہ اس پر مزید قرائن ہیں جو انہیں اس کے مرفوع تسلیم کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ حافظ فرماتے ہیں۔

"فتبین ان ترجیح البخاری لوصل ھذا الحدیث علی ارساله لم یکن لمجرد ان الوصل معه زیادة لیست مع المرسل بل بما یظهر من قرائن الترجیح۔"

یعنی امام بخاری نے جو یہاں موصول کو مرسل پر ترجیح دی ہے تو یہ محض موصول ہونے کے اعتبار سے نہیں اور نہ ہی اس قاعدہ کی بنا پر کہ وصل میں زیادتی ہے جو مرسل میں نہیں بلکہ یہ ترجیح قرائن پر موقوف ہے اس کے بعد حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ امام بخاری کا حدیث۔ ام مسلمۃ "ان شعث سبعت لک" کو مرسل قرار دینا بھی اسی پر دال ہے۔ جب کہ یہ روایت محمد بن ابی بکر نے عبدالملک بن ابی بکر سے مرفوع ذکر کی ہے اور امام مالک نے اسے مرسل بیان کیا ہے اور اسی روایت کے بعد فرماتے ہیں:

"والحدیث الصحیح ھذا ھو یعنی حدیث اسماعیل" (التاریخ الکبیر ص ۴۹ جلد ۱)

حافظ ابن حجر اسی بحث کی طرف اشارہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فصوب الارسال ھنا لقرینۃ ظھرت لہ فیہ وصوب الوصل ھناک لقرینۃ ظھرت لہ فیہ فتبین انہ لیس عمل مطرد فی ذالک"۔ النکت

یعنی اسی جگہ قرائن کی بنا پر روایت کو مرسل کہا اور دوسری جگہ قرائن کی بنا پر ہی متصل ہونا صحیح قرار دیا جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس میں کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ یہ تمام تفصیل اس بات کی دلیل ہے کہ "ثقہ کی زیادۃ" بہر صورت مقبول نہیں بلکہ اس کے لیے کچھ قرائن و دلائل کی بھی ضرورت ہے۔ بلا شبہ آئمہ اصول نے اکثر و بیشتر "ثقہ کی زیادتی کو قبول کیا ہے لیکن جب ہم محدثین اور محققین کے کلام پہ نظر ڈالتے ہیں تو آئمہ اصول کی بات مخدوش نظر آتی ہے۔ کتب احادیث اور بالخصوص کتاب العلل لابن ابی حاتم والدارقطنی اسی طرح سنن ترمذی پر اگر طائرانہ نظر ڈال لی جائے تو آپ کو بیسیوں مثالیں ملیں گی جہاں محدثین نے مرسل کو ترجیح دی یا مرفوع کی بجائے موقوف راجح قرار دیا گیا ہے گو اس متصل یا مرفوع روایت کی سند صحیح ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً امام ترمذی حدیث "امر بوضع الیدین ونصب القدمین" کو بواسطہ وہیب بن خالد مرفوع نقل کرنے کے بعد حماد بن مسعدہ نے اسے مرسل بیان کرتے ہیں۔

پھر اس کے بعد لکھتے ہیں: "وروی یحیی بن سعید القطان وغیر واحد عن محمد بن عجلان عن محمد بن ابراھیم عن عامر بن سعد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر بوضع الیدین ونصب القدمین مرسل، وھذا اصح من حدیث وھیب وھو الذی اجمع علیہ اھل العلم واختارہ" (ترمذی مع التحفہ ص ۲۴۴ ج ۱)

اندازہ فرمائیے امام ترمذی یہاں مرسل روایت کو اصح قرار دیتے ہیں اور اسی کو محدثین کا مسلک قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ وھیب جو کہ ثقہ اور ثبت ہے، نے یہ روایت مرسل بیان کی ہے۔ مزید یہ کہ علامہ ماردینی جو جابجا علمائے اصول کے اس قاعدہ سے استدلال کرتے ہیں

انہوں نے بھی یہاں امام ترمذی کا ساتھ دیا ہے اور دوسرے مقامات کی طرح اس پر اختلاف کا اظہار نہیں کیا۔

یہی نہیں بلکہ مولانا صفدر صاحب کے "محقق نیموی" ایک حدیث کے رفع پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فان قلت ھذا زیادۃ من الثقۃ وزیادۃ الثقۃ مقبولۃ مطلقاً کما ذھب الیہ النووی وغیرہ موضع من تصانیفہ قلت العبرۃ للاقوی فالارجح کما حققناہ فیما اسلفناہ لاسیما فی الوصل والارسال الخ۔ (التعلیق الحسن ص ۸۰)

جس سے ہمارے سابقہ مدعیٰ کی تائید ہوتی ہے کہ علامہ نووی اور دیگر آئمہ اصول کا یہ "اصول" محل نظر ہے بلکہ اس کا فیصلہ کہ یہ حدیث مرفوع ہے یا موقوف، مرسل ہے یا متصل، دیگر قرائن و دلائل پر موقوف ہے، اور اگر مولانا صفدر صاحب اس اصول کو صحیح تسلیم کرنے میں مخلص ہیں تو انہیں چاہیے کہ حسن بن صالح عن ابی الزبیر عن جابر کی سند میں جابر کا واسطہ صحیح تسلیم کرتے ہوئے اس کے ضعف کا اقرار کریں بالخصوص جب کہ یہ واسطہ صحیح ہونے پر متعدد صحیح قرائن سے ثابت ہے جیسا کہ اس سے قبل ہم ثابت کر آئے ہیں۔ مزید یہ کہ حدیث انس "ولیقرا احدکم بفاتحۃ الکتاب بنفسہ" کو بھی متصل تسلیم کرنا ہوگا علامہ نیموی اور ان کی اتباع میں مولانا صفدر صاحب نے جو اسے منقطع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اسے غلط قرار دینا ہوگا۔ جب کہ ثقہ اور ثبت راویوں نے اس کا متصل بیان کیا ہے۔ اگر فرصت میسر آئی تو ہم ان شاء اللہ اس روایت پر بھی بحث کریں گے۔